Variable Aspects of Urdu Nazm

اردو نظم کی بدلتی جہات

Dr.Samina Gul *1
Chairperson, Department Of Urdu, University Of Lahore, Sargodha Campus
Sadia Noreen*2
M. Phil Scholar, Department of Urdu , University Of Lahore Sargodha Campus
Suleman Jazib*3
M.Phil Scholar, Department of Urdu , University Of Lahore Sargodha Campus

☆1 **ڈاکٹر ثمینہ گل**
چیئرپرسن، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف لاہور، سرگودھا کیمپس
☆2 **سعدیہ نورین**
ایم فل سکالر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف لاہور، سرگودھا کیمپس
☆3 **سلیمان جاذب**
ایم فل سکالر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف لاہور، سرگودھا کیمپس

Correspondance: samina.shamshad@sgd.uol.edu.pk

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 27-07-2025
Accepted:12-09-2025
Online:29-09-2025

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: Every individual possesses an inner rhythm, and it is this rhythm that shapes the structure of their life in accordance with their temperament and character. If this rhythm disappears from life, the balance of human existence begins to falter. The same can be said about poetry—it is both prose and verse. Advocates of free verse have linked it to an organic rhythm, asserting that rhythm has an organic concept. In the twenty-first century, poetry has emerged not only as an autonomous and independent genre, but its caravan is advancing more rapidly than that of the ghazal. Many distinguished names have joined its constellation, and even poets known for ghazals are increasingly drawn toward poetry. With all its nuances, poetry has begun to unlock the doors of enchantment.

KEYWORDS:In modern Urdu poetry, there has emerged an intellectual diversity encompassing social, societal, psychological, linguistic, civilizational, and cultural dimensions

جدید اردو نظم نے اس صدی میں ایک نئی کروٹ لی جس میں اردو نظم نے انفرادیت سے اجتماعیت، جلوت سے جلوت کا سفر طے کیا۔قید و بند سے آزادی اور جبریت سے نجات ملی نئی اردو نظم کو مابعد جدیدیت نے ادراک و اظہار کا نیا زاویہ ملا۔تجریدیت،علامتیت ،ابہام کے رد کرتے ہوئے نظم میں سماجی اور ثقافتی صورت حال کو شامل کیا گیا۔اکیسویں صدی میں ادب اور معاشرے کے زندہ رشتوں کی جستجو ہوئی اور تخلیق ذات میں کائناتی عناصر شامل ہوئے۔اس صدی کا نظم نگارادب اور معاشرے کے زندہ رشتوں پر یقین رکھتا ہے وہ اپنی ذات کے خول میں قید نہیں ہے۔وہ مقامی اور عالمی تناظر سے باخبر ہے وہ ہر اس منظر سے آگاہ ہے جو عالمی اور مقامی سطح پر وقوع پذیر ہوتا ہے۔

اکیسویں صدی کی نظم میں فکری سطح پر سماجی، معاشرتی و نفسیاتی ،لسانیاتی ،تہذیبی و ثقافتی تنوع آیا۔اس میں علامتیت اور استعاریت کے ساتھ معنویت کے نئے جہان تلاشے جس میں تجریدیت وجودیت لاوجودیت سے قاری اور تخلیق کے درمیانی فاصلے کو کم کیااور نئے معنیاتی نظام کو تشکیل دیا۔لسانی اعتبار سے نظم نے ذولسانی اور سماجی لسانیات کو بھی اپنے نظم میں داخل کیااور جدید ٹیکنالوجی کی زبان کو اپنے دامن میں جگہ دی۔

پروفیسر گوپی چند نارنگ نے جدید نظم کی شعریات اور بیانیہ کے عنوان سے ایک تحقیقی مضمون تحریر کیا۔جس میں انھوں نے واضح کیا کہ اردو نظم پر غیر ملکی ادب کے اثرات موجود ہیں جدید اردو نظم کی روایت میں غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ شامل ہیں۔جدید اردو نظم کے لیے جس طرح موضوع کی کوئی قید نہیں وہاں ہیئت پر بھی کوئی پابندی نہیں ہے۔اردو میں غزل اور مثنویات کی ہیئت میں نظمیں تخلیق ہوئیں۔اور مختلف بنوں پر مشتمل نظمیں آزاد اور نظمِ معرٰی کی شکل میں بھی نظمیں لکھی گئیں۔

آزادی سے قبل اردو نظم متعدد کروٹیں بدل چکی تھی سر سید احمد خان نے عقلیت اور حقیقت پسندی کے رجحانات کو فروغ دیا سر سید کی اصلاحی تحریک کو حالی نے اپنی نظموں کے ذریعے پھیلانے کی تدبیر کی۔انجمن پنجاب کی جدید نظم میں روایت سے گریز پہلی کوشش دکھائی دیتی ہے۔اس کو پروان چڑھانے میں محمد حسین آزاد اور حالی خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔شروع میں جدید نظم کو روایت سے جذباتی وابستگی رکھنے والوں کی طرف سے سخت مشکل کا سامنا کرنا پڑا مگر نئی نسل اسے اپنے ہم قدم کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ہر آنے والے دور میں نئے شعرااپنی تازہ فکر سے مزید نکھارتے رہے۔ انھوں نے اسلوبیاتی اور ہیتی تبدیلیوں کی بناپر اردو نظم کو نئی راہ دی اس حوالے سے حالی کی "مقدمہ شعروشاعری" خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔انیسویں صدی کے آخر میں بے قافیہ نظم کے غیر معیاری نمونے بھی سامنے ائے جن پر انگریزی نظم کے اثرات نمایاں تھے۔ہیئت کی ان نئی تبدیلیوں کے باعث نظم کارخ خارج سے داخل کی طرف ہوتا دکھائی دیا۔شاعری کے داخلی اعماق پرورش پانے لگے۔احساسات جب سطح پر آئے تو شاعر کے اندر تجریدیت نے جنم لیااس کی ابتدائی مثال عظمت اللہ کے ہاں دکھائی دی۔انھوں نے نظم کی روایت سے انحراف کیااور نظم میں ذات کے اظہار کو فوقیت دی۔عظمت

اللہ خان نے اردو اور ہندی کے امتزاج سے لوک گیتوں کی تجدید کی اس میں لسانی پہلوؤں کو بھی مد نظر رکھا۔اور ہندوستانی عورت کو متعارف کرایا۔ جس کی اقبال نے نفی کی اقبال نے نظم کو انسانی ڈاخلیت کے ساتھ ساتھ سرزمین کی کوکھ میں پلنے کی آبیاری کی اس سے نظم کی داخل ڈھڑکن تیز ہوتی چلی گئی۔ قیام پاکستان سے قبل اور بعد میں نظم نگاری پر رومانی تحریک کے اثرات غالب رہے۔اختر شیرانی حفیظ جالندھری کی نظموں نے معاشرے پر گہرے اثرات مرتب کیے،جوش کی رومانویے فکر کی آزادی، تکیل کے حسن اور اظہار کی بے تکلفی ہے۔ جوش بیک وقت شاعرِ شباب اور انقلاب تھے۔ان کی رومانویت کا دوسرا زاویہ جمالیات ہے، جوش کی رومانوی نظمیں داخلیت کے بجائے خارجیت کا منظر پیش کرتی ہیں۔اس کے برعکس اختر شیرانی خارجیت کو داخلیت کے ساتھ بیان کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔اختر شیرانی نے زندگی کوماورائی خواب بنانے کی کوشش میں خود کو مصروف رکھا۔اس تخیل کی آزادی سے وہ رنگ ورعنائی کی بدولت ماورائی عورت کا پیکر تراشتے ہیں اور مچالی عورت تخلیق کرتے ہیں۔اختر شیرانی کی رومانویت میں غنائیت موجود ہے، انھوں نے موسیقی، نرم و نازک احساسات کو فنکارانہ اور مترنم بحروں میں برتا۔اختر شیرانی کا باطنی عکس محبت کا وہ روپ ہے جسے عورت کے روپ میں وطن سے مماثل کیا جاسکتا ہے۔ ایساہی اندازِ فکر فیض کے ہاں دیکھنے میں آتا ہے۔انھوں نے ادب اور سیاست کے درمیان رشتے کو مضبوط کیا۔ فیض ادب کے جمالیاتی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ عملیت اور افادیت کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں فیض کے عہد میں اردو شاعری پر مغربی اثرات علامت نگاری سے ظاہر ہو رہے تھے۔اس رجحان کی عاضح مثال فیض کی نظم "صبح آزادی" میں دیکھی جاسکتی ہے۔

"یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر" سحر وہ علامت ہے جس میں مقصد، منزل اور روشنی جیسے مفاہیم پوشیدہ ہیں۔ نئی علامتوں میں ذاتی علامتوں کی تخلیق کا رجحان زیادہ طاقتور ہوا۔ دراصل یہی اردو نظم کو پرانی علامت نگاری سے علاحدہ کرتا ہے۔علامت کے معنی فن کھولنے کے ہیں۔ جوں جوں شاعر کے وجدانی یاماورائی اختصاص کا دائرہ وسیع ہوتا جاتاہے وہ استعاروں، علامتوں اور پیکر تراشی کو زیادہ ہنرمندی سے استعمال کرنے لگتاہے۔ علامتیت معنویت کو ایسی نئی سطح پر سامنے لاتی ہے جس کو عام الفاظ میں اپنی گرفت میں لانے سے قاصر ہے۔ استعارہ سازی، پیکر تراشی اور علامت نگاری کے لیے جدید نظم نگاروں نے ادب کو سماجی زندگی کے مسائل سے ہم آہنگ کیا۔علامتیت کی بدولت ادبی حسن کو مزید نکھارا معروف نقاد عبادت بریلوی کے مطابق ادب اپنے ماحول، حالات اور سماجی زندگی کے مختلف مسائل سے چشم کوشی نہیں کر سکتا۔ ایک تخلیق کار ہی معاشرے میں انقلابی روح بیدار کر سکتا ہے۔ادیب معاشرے کا وہ فرد ہے جو معاشرے کی ناہمواریوں کو علامتی انداز عکاسی کرتا ہے۔ ترقی پسند تحریک می ں مارکیست اور اشتراکیت کا وجود لازمی جزو ہے۔اس کے بعد حلقہ اربابِ ذوق نے نظم کو نئی سمت کی جانب گامزن کیا "بزمِ داستانِ گویاں" ترقی پسند تحریک کا ردِ عمل ہے، نظریاتی سطح پر دونوں تحریکوں میں اختلاف رہا۔۔ حلقہ ارباب ذوق نے نظم کو عمودی تناظر میں دیکھا اس سلسلے میں بنیادی کام میراجی کے ہاں ملتاہے۔ حلقہ اربابِ ذوق کی بنیاد جمالیاتی طرزِ احساس پر تھی۔ وہ نظم کی مقصدیت اور افادیت

کے قائل نہیں تھے، تاہم نظم میں فلسفہ، نفسیات کو تاثراتی انداز سے دیکھا جانے لگا۔ میرا جی کی نظمیں نفسیاتی الجھنوں کا منظر نامہ پیش کرتی ہیں۔ انھوں نے اپنی تخلیق اور تنقیدی زاویہ نگارہ میں روایت سے انحراف کیا اور جداگانہ راہ اختیار کی۔

"جس طرح ہر ذی روح کی ایک اپنی صورت اور مزاج ہے جو اسے دوسروں سے الگ اور جدا کرتا ہے، بالکل اسی طرح ہر صنفِ ادب اپنی ہیئت، خوشبو اور مزاج کے باعث دوسری اصناف سے مختلف ہوتی ہے۔ پھر بات ہیئت اور مزاج تک محدود نہیں پھر دیکھنے کی بات یہ بھی ہے کہ کسی صنف کے پیکر کی تراش اور مزاج کی تشکیل کن اثرات کے تحت ہوئی۔ یعنی وہ کون سے سماجی روحانی و ارضی محرکات تھے جو اس صنفِ ادب کی نمو میں مد ثابت ہوئے (1)

وزیر آغا کی نظموں میں امید کا پیغام واضح دکھائی دیتا ہے۔ زندگی میں دکھ اور تکالیف انھیں مایوس نہیں کرتے ان کے نزدیک دکھ زندگی کے سفر میں زادِ راہ ہے۔ اس لیے دکھ نوکیلا اور زہریلا نہیں بل کہ زندگی کے ناہموار راستوں کو ہموار کرتا ہے۔ اور یہ دکھ مسرت کی کوکھ سے جنم لیتا ہے۔

نغمے کی گونج سائنس کے سرگم سے مل گئی
گردوں سے چند اوس کی بوندیں ٹپک پڑیں
تاروں کی بنائی ہوئی عمارت ڈھل گئی
بوڑھی گلی میں دھیرے سے جب خیمہ زن ہوئی
کھڑکی کی آنکھ کیا کبھی خیمہ زن ہوئی
دکھ اوٹ سے کواڑ کی میری طرف بڑھا
بھیگی ہوئی نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ (2)

نظم جب راشد کے دور میں داخل ہوتی ہے تو علامت کو ب پروان ہو چکی تھی۔ راشد کی شاعری بنیادی طور پر انسان کی تلاش کی شاعری ہے عام طور پر راشد کی شاعری کو فراریت، جنسی دباؤ اور نفسیاتی الجھنوں کا شکار سمجھا جاتا ہے مگر وہ اپنی شاعری میں انسانی مسائل تلاشتے ہیں راشد انسان کو داخل و خارج کی سطحوں میں مذہبی، معاشی اور معاشرتی ناہمواریوں کو نمایاں کیا۔ راشد کے ہاں بغاوت سماجی رویوں کی بغاوت ہے یہ بغاوت محض افلاطونی تصور یا سوسائٹی کے مروجہ اقدار کی بغاوت نہیں بل کہ زندگی سے بغاوت اور سرکشی کرتی نظر آتی ہے راشد زندگی سے سمجھوتہ کرنے کے بجائے غیر صحت مندانہ فراریت اختیار کرتے ہیں۔ وہ بے اطمینانی، مایوسی اور قنوطیت سے فراریت شراب نوشی میں پاتے ہیں۔

اے مری ہم رقص مجھ کو تھام لے
زندگی سے بھاگ کر آیا ہوں میں

ڈر سے لرزاں ہوں کہیں ایسا نہ ہو

رقص گہ کے چور دروازے سے آکر زندگی

ڈھونڈ لے مجھ کو نشاں پا لے مرا

اور جرمِ عیش کرتے دیکھ لے"(3)

اس نظم میں راشد رقص میں شکست خوردہ دکھائی دیتے ہیں زندگی کی تلخ حقیقتیں انسان کو راہ فراف دکھاتی ہیں جو لمحاتی عاقبیت کے سوا کچھ نہیں۔ن م راشد کے ہاں محبت کے اندھے سفر میں عروج وزوال ساتھ ساتھ رہتا ہے۔میراجی اور ن م راشد کے بعد نظم کو نئی جہت عطا کرنے والے مجید امجد ہیں انھوں نے روائیتی ہیئتوں میں جدید فکری موضوعات کو سمویا۔انھوں نے نظم کے نئے پیکر تلاش کیے۔مجید امجد کے زمانے میں مغرب سے جدیدت کی تحریک نے زور پکڑا ہوا تھا۔اور شعراء نے اپنی نظموں میں مغربی اثرات کو زیر اثر نظمیں کہیں مجید امجد نے بھی مغربی شعریات سے مغربی تصور اخذ کیا۔اور نئے پیکر تراشے۔اس سلسلے میں ان کی نظم "کنواں" مثال کے طعر پر پیش کی جاسکتی ہے اس نظم میں روانی اور سرور کی کیفیت عروج ہر نظر اتی ہے یہ نظم فکری اعتبار سے فنی محاسن اور ہیئتی حوالے سے مجید امجد کے مزاج کی مخبری کرتی ہے

"کنواں چل رہا ہے مگر کھیت سوکھے پڑے ہیں"(4)

آغاز پر مجید امجد نے حالی اور اقبال کی راہ پر سفر کیا۔مگر جلد ہی اس راہ سے جدا ہو گئے۔اور اپنا اسلوب اپنایا۔اس کی نظموں کو تاریخی ترتیب میں پڑھتے ہوئے احساس کے گہرے اور دبیز پردوں کو ہٹاتا نظر آتا ہے۔زندگی کے تلخ تجربات کو عمیق مشاہدے کی بنا پر اچھوتے انداز میں بیان کرنے کا فن مجید امجد کے ہاں ملتا ہے۔وہ خارجی معاملات سے چشم پوشی نہیں کرتے ان کی نظم "پنواڑی" ان احساسات کی ترجمان ہے۔

"تخلیقی عمل کی اساس قوتِ متخیلہ پر ہوتی ہے یہ کمال تخیل کا ہی ہے کہ وہ
خوب کو خوب تر اور حسین کو حسین تر بنا کر پیش کر سکتا ہے،۔خواب وخیال
سے پرے اشیاء پر کمند ڈال سکتا ہے اور مختلف چیزوں کو وحدت میں پرو سکتا
ہے چاہے اسمیں قوسِ قزح جیسی رنگا رنگی ہی کیوں نہ موجود ہو"(5)

اکیسویں صدی کی نظم میں فکری سطح پر سماجی، معاشرتی و نفسیاتی، لسانیاتی، تہذیبی و ثقافتی تنوع آیا۔اس میں علامتیت اور استعاریت کے ساتھ معنویت کے نئے جہان تلاشے جس میں تجریدیت وجودیت لا وجودیت سے قاری اور تخلیق کے درمیانی فاصلے کو کم کیا اور نئے معنیاتی نظام کو تشکیل دیا۔لسانی اعتبار سے نظم نے ذولسانی اور سماجی لسانیات کو بھی اپنے نظم میں داخل کیا اور جدید ٹیکنالوجی کی زبان کو اپنے دامن میں جگہ دی۔

حوالہ جات

1۔وزیر آغا، نظمِ جدید کی کروٹیں، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی2000،ص:11

2۔ڈاکٹر انور سدید، جدید نظم کے اربابِ اربعہ، ص:58

3۔ن م راشد، ماورا، لاہور: مکتبہ اردو، 1941، ص:108

4۔خواجہ زکریا، کلیاتِ مجید امجد، لاہور: ماوراء پبلشرز، س ن، ص:115

5۔ڈاکٹر نسرین رئیس خان، جوش کی پیکر تراشی (تنقیدی جائزہ)، شائن پرنٹس اینڈ بائنڈر، دہلی، 2001:ص:18

References:

1. Wazir Agha, Nazm-e-Jadeed ki Karwatein, Educational Publishing House, Nai Dehli, 2000, p. 11.
2. Dr. Anwar Sadeed, Jadeed Nazm ke Arbab-e-Arba‘a, p. 58.
3. N. M. Rashid, Mavra, Lahore: Maktaba-e-Urdu, 1941, p. 108.
4. Khawaja Zakariya, Kulliyat-e-Majeed Amjad, Lahore: Mavra Publishers, s.n., p. 115.
5. Dr. Nasreen Raees Khan, Josh ki Paikar Tarashi (Tanqeedi Jaiza), Shine Prints and Binder, Dehli, 2001, p. 18.